رسائل و مسائل

جوازِ سود کے حق میں ایک روایت سے غلط استدلال

سوال: پراویڈنٹ فنڈ جو گورنمنٹ کاٹتی ہے اس پر فنڈ جمع کرانے والے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے سود لے، چاہے نہ لے۔ اسی طرح سیونگ سرٹیفکیٹ کا معاملہ ہے۔ مجھے ایک عالم نے فرمایا ہے کہ حکومت اپنی جانب سے کچھ دینا چاہے، خواہ وہ سود کے نام سے ہو یا نہ ہو، اور اس کی مقدار مقرر ہو یا نہ ہو، اس کا لے لینا جائز ہے اور وہ سود نہیں ہے۔ انہوں نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوے کے وقت ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے یہ اجتہاد کیا جا سکتا ہے کہ گورنمنٹ اگر چاہے تو بوقت ضرورت اپنی طرف سے کچھ زائد رقم لوٹانے کے وعدے پر لوگوں سے روپیہ لے سکتی ہے۔ اس طرح جو زائد روپیہ دیا جاتا ہے، وہ جائز ہے۔ حوالہ طلب کرنے پر انہوں نے بلوغ المرام، کتاب البیوع، باب الربوٰ کی ایک حدیث کی نشان دہی کی ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یجھز جیشا فنفدت الابل فامرہ ان یاخذ علی قلائص الصدقۃ قال فکنت اٰخذ البعیر بالبعیرین (رواہ الحاکم والبیہقی ورجالہ ثقات)۔

براہ کرم آپ اس حدیث پر، نیز اس سے عالم موصوف کے استنباط پر روشنی ڈالیں اور بتائیں کہ بیان کردہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔

جواب: آپ کی نقل کردہ حدیث سے اگر کسی عالم صاحب نے وہی استدلال فرمایا ہے جو آپ کے سوال میں مذکور ہے تو اس سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ یہ استدلال چند در چند خامیوں اور غلط فہمیوں پر مشتمل ہے۔ حدیث کا اگر محتاط لفظی ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا: "حضرت عمرؓو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لڑائی کا ساز و سامان تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اونٹ ختم ہو گئے تو آنحضورؐ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ کی اونٹنیوں کے عوض میں اونٹ حاصل کیے جائیں۔ پس میں دو دو اونٹوں کے بدلے میں ایک اونٹ لیتا تھا، تا آنکہ زکوٰۃ کے اونٹ آجائیں۔"

امر اول جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضورؐ نے خود یہ شرط مقرر یا تسلیم فرمائی تھی کہ ایک اونٹ کے عوض میں دو ملیں گے۔ یہ حضرت عمرو کا اپنا قول ہے جس کے بارے میں صراحت موجود نہیں کہ آنحضورؐ کو اس کا علم تھا یا نہیں، اور آپ نے اسے برقرار رکھا یا نہیں، بلکہ خود حضرت عمرو کے بارے میں بھی یہ واضح نہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کے اونٹ فراہم ہو جانے کے بعد ایک اونٹ کے عوض میں دو اونٹ دیئے یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ روایت کے الفاظ سے صاف طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بیع کا معاملہ تھا یا قرض کا، چنانچہ شارحین میں سے بعض نے اسے بیع کے مفہوم میں لیا ہے اور بعض نے قرض کے مفہوم میں، یعنی بعض کے نزدیک جانور خرید لیے گئے تھے اور ان کی قیمت کے عوض میں دوسرے جانور دیئے جانے تھے اور بعض کے نزدیک جانور قرض لیے گئے تھے۔

بلاشبہ صاحب بلوغ المرام نے اس حدیث کو بیہقی اور حاکم کے حوالے سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بیہقی و حاکم کی یہ روایت اس پائے کی نہیں ہے کہ مجرد ایک مجمل توثیق کے بل پر اسے بلا تردد قبول کر لیا جائے، بالخصوص جبکہ اس کے متن میں ابہام و اشکال ہو اور اس کا مضمون احادیث صحیحہ و کثیرہ سے متعارض ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اپنی شرح مسک الختام میں اس روایت کے ضعف پر دلالت کرنے والے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور اپنی رائے ان الفاظ میں دی ہے: "گویم وجہ ضعف حدیث ابن عمرو آنست کہ در سندش

محمد ابن اسحاق است و درو سے مقال است (میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے کمزور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک راوی محمد ابن اسحاق ہے، جس میں کلام کیا گیا ہے)۔

پھر اس حدیث کے الفاظ سے یا اس کے شارحین کے اقوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کس غزوے کا ذکر کیا گیا ہے۔ سُود اور اس کے متعلقات کے متعلق قطعی اور تفصیلی احکام عہدِ نبوی کے اواخر میں دیئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔ اگر ایسا ہو تو ظاہر ہے کہ معاملے کی یہ صورت منسوخ قرار پائے گی۔

اس بارے میں آخری مگر خاص طور پر لائقِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ حدیث حیوانات کے مبادلے اور لین دین سے متعلق ہے، جن کا معاملہ نقود و اجناس سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ حیوانات کی چونکہ کوئی متعین بازاری قیمت یا شرح نہیں ہے، انہیں ناپا اور تولا نہیں جا سکتا اور اپنی عمر، نسل، صلاحیت اور افادیت کے اعتبار سے ایک ہی نوع کے ایک جانور اور دوسرے جانور میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، اس لیے خاص حیوانات کے معاملے میں شریعت کے احکام زیادہ سخت اور قطعی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فقہاء و محدثین کی آراء بھی مختلف ہیں کہ جب حیوانات کا دست بدست یا ادھار پر تبادلہ کیا جائے، یا جانور قرض دے کر جانور ہی قرض میں واپس لیا جائے تو آیا اس صورت میں تفاضل (یعنی کمی بیشی) جائز ہے یا نہیں؟ بعض کے نزدیک جانوروں کی تعداد اور عمر وغیرہ میں تفاضل کے باوجود اگر معاملہ بیع کا ہو اور دست بدست ہو تو جائز ہے، لیکن جانوروں کے بدلے میں جانوروں کا قرض پر لین دین جائز نہیں۔ اس مسلک کے حق میں ایک حدیث بلوغ المرام کے اسی باب میں موجود ہے کہ: عن سَمُرَةَ بن جُنْدُبٍ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً۔ (حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جانور کے بدلے جانور ادھار بیچا جاتے)۔ اس مسلک کے قائلین کے نزدیک حضرت عمرو بن عاص والی روایت قابلِ حجت و استناد نہیں ہو سکتی کیونکہ جانور بیچ کر اگر اس کے بدلے میں جانور کا ادھار کرنا ممنوع ہے تو جانور قرض دے کر بعد میں جانور وصول کرنا کیسے جائز ہو گا؟ بعض فقہاء ایسے بھی ہیں

جو جانوروں کے مبادلے کو سرے سے صحیح ہی نہیں سمجھتے خواہ بیع کا معاملہ ہو یا قرض کا، اور بیع کی صورت میں ثمن ہاتھوں ہاتھ ملے یا ادھار رہے۔

لیکن آپ کو بھی اور جن عالم صاحب نے پراویڈنٹ فنڈ، سیونگ سرٹیفکیٹ دیا دیگر رقوم قرض، پر سُود کو محض اس ایک ضعیف و مرجوح روایت کے بل پر حلال کرنے کی سعی فرمائی ہے، انہیں بھی یہ بات پھر ایک مرتبہ اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ تفاضل کے جواز و عدم جواز کے جس اختلاف کا ذکر ابھی اُوپر ہوا ہے، یہ نقدی یا سونے چاندی سے بہرحال متعلق نہیں ہے اس کا تعلق محض حیوانات یا کچھ دوسری اشیاء سے ہے۔ چودہ سو سال میں علمائے امّت کا سلف سے خلف تک کامل اتفاق ہے کہ درہم و دینار اور روپے پیسے کے نقد یا قرض لین دین میں اضافہ و تفاضل کی پیشگی شرط قطعی سُود ہے اور حرام ہے۔ اس متفق علیہ مسلک کی بنیاد کتاب و سنّت کے نہایت صریح اور محکم نصوص پر قائم ہے۔ کوئی شخص کمزور ہتھیاروں کے ساتھ اس بنیاد کو ہرگز منہدم یا متزلزل نہیں کر سکتا۔

(ع - غ)

افتراقِ امّت اور فرقۂ ناجیہ

سوال :میں اس حدیث کے سلسلے میں رہنمائی کا طالب ہوں جو تہتر فرقوں سے متعلق ہے اور جس میں مذکور ہے کہ ایک فرقہ ناجی اور باقی دوزخی ہوں گے۔ کیا یہ حدیث صحیح و قوی ہے یا ضعیف و موضوع ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے اور کیا اس کے ماسواء سارے فرقے کچھ نہ کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے؟ بظاہر یہ بات بڑی پریشان کن اور خوفناک ہے کہ اس امت کی اکثریت آگ کے عذاب سے محفوظ نہ رہے اور دوزخ کی مستحق قرار پائے۔

جواب - افتراقِ امت سے متعلق جس حدیث کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے